© rasailojaraid.com

اس کو پلٹ کر جواب دے یا دُو بدُو جواب دینے لگے تو آپ اسے زبان درازی نہیں تو اور کیا کہیں گے؟ کجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ کوئی یہ رویّہ اختیار کرے۔ اب اگر کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے بڑھ کر ازواجِ مطہرات کے احترام کی فکر ہے تو اس کا آخر میرے پاس کیا علاج ہے۔ ظاہر ہے کہ ازواجِ مطہرات کا رویّہ کچھ زیادہ ہی ناپسندیدہ ہو گیا تھا جس کی بنا پر پہلے تو حضرت عمرؓ اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ پر غضب ناک ہوتے، پھر ازواجِ مطہرات میں سے ایک ایک کے ہاں جا کر ان کو اللہ کے غضب سے ڈرایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ وسلّم نے ناراض ہو کر ۲۹ دن تک ان سے قطع تعلق کر کے اپنے بالاخانے میں قیام فرمایا حتیٰ کہ صحابۂ کرام میں یہ تشویش پھیل گئی کہ حضورؐ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے، اور آخر کار خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اُن کو تنبیہ فرمائی۔ اب اگر یہ محض پلٹ کر جواب دینے یا دُو بدُو جواب دینے ہی کا چھوٹا سا معاملہ تھا تو یہ معترضین اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں کہ ذرا سی بات پر ایک آیت نازل کر دی؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا سمجھتے ہیں کہ آیا آپ معاذ اللہ بڑے ہی تُنک مزاج واقع ہوئے تھے کہ ذرا سی بات پر بیویوں سے اس قدر ناراض ہو گئے؟ اور حضرت عمرؓ کو کیا سمجھتے ہیں کہ ذرا سی بات پر بیٹی کو ڈانٹا اور پھر ازواجِ مطہرات میں سے ایک ایک کے گھر جا کر ان کو خدا سے ڈراتے پھرے؟ یہ سب کچھ تو قرآن اور حدیث سے ثابت ہے جسے صرف نقل کرنے کا میں گناہ گار ہوں۔ رہے معترضین تو انہیں بہرحال میری ہر بات پر اعتراض کرنا ہے اس لیے میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ان کی کسی بات کی طرف کوئی توجہ نہیں کروں گا۔ جب تک چاہیں وہ اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرتے رہیں۔

"ابوالاعلیٰ" نام پر اعتراض

سوال۔ مولانا مودودی کے خلاف بہت سے اعتراضات کا اطمینان بخش جواب دیا جا چکا ہے، مگر ایک اعتراض ایسا ہے جس کا ابھی تک کوئی مفصّل اور مدلّل جواب نہیں دیا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا پھر اس کا جواب دینا مناسب یا ضروری خیال نہیں کیا گیا، حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس اعتراض کو ایک مدت سے بار بار دُہرایا جا رہا ہے۔ یہ اعتراض مولانا کے نام پر عائد کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے اَلْاَعْلیٰ تو اللہ کا نام ہے اور اس طرح ابُوالاعلیٰ کے معنی (نعوذ باللہ) اللہ کے باپ کے ہوتے ہیں۔ ابلہ فریبی سے کام لیتے ہوئے جب بعض لوگ یہ اعتراض اٹھاتے ہیں اور پھر حاشیہ آرائی اور اشتعال انگیزی کے ساتھ اسے پبلک اسٹیجوں پر پیش کیا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ عامۃ المسلمین سخت متوحش و بدظن ہوتے ہیں اور جو لوگ حسنِ ظن سے کام لیتے ہیں، وہ بھی ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر یہ اعتراض غلط ہے تو اس کی غلطی اچھی طرح واضح کیوں نہیں کر دی جاتی تاکہ اس گمراہ کن پراپیگنڈے کا خاتمہ ہو سکے۔

اس سلسلے میں اس بات کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ ابُوالاعلیٰ مولانا مودُودی کا اصل نام ہے یا انہوں نے خود اپنی یہ کنیت رکھ لی ہے؟ اگر اس میں غلط فہمی یا اعتراض کی گنجائش ہے تو کیا اسے تبدیل کرنا مناسب نہیں ہے جبکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض نام تبدیل فرمائے اور بعض کنیتیں بھی پسند نہیں فرمائیں۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نام چاہے قابلِ اعتراض نہ ہو، تب بھی اس کا کوئی خاص مفہوم اور مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ ترجمان میں اگر ان سب پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح کے سارے اعتراضات کا جائزہ ایک مرتبہ لے لیا جائے، تو امید ہے کہ لوگوں کے ذہن صاف ہو جائیں گے، ورنہ دوسری صورت میں ایسی اشتعال انگیزیاں خطرناک نتائج بھی پیدا کر سکتی ہیں جیسا کہ حال ہی کے بعض واقعات نے ثابت کر دیا ہے۔"

جواب، (از ملک غلام علی صاحب)۔ کسی پڑھے لکھے اور معقول انسان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ لوگوں کے ناموں پر معترض ہو، یا اس طرح کے اعتراضات کو سنجیدہ توجہ کے قابل سمجھے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ بعض جُہلاء نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں بے شمار دوسرے اعتراضات کے ساتھ نام پر بھی اعتراض کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے، حتیٰ کہ سادہ لوح عوام الناس کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعلیٰ کے معنی اللہ کے ہیں، اس لیے جس شخص کا نام ابوالاعلیٰ ہے، وہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا باپ ہونے کا مدعی ہے۔ یہ ایک ایسی بیہودہ حرکت ہے جس کو ہم نے اب تک قابلِ اعتناء نہیں سمجھا اور اس بات پر اعتماد کیا کہ معقول لوگ خود اس بیہودگی کو قابلِ نفرت سمجھیں گے لیکن اب یہ بات اتنی بڑھ گئی ہے کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کی صحیح حقیقت و ماہیت واضح کر دی جائے اور معترضین کی جہالت و فریب دہی کا پردہ چاک کر دیا جائے۔

سب سے پہلی بات جو قابلِ وضاحت ہے وہ یہ ہے کہ ابوالاعلیٰ کنیت نہیں ہے بلکہ والدین کا رکھا ہوا نام ہے جو خاندانِ مودودیہ کے ایک بزرگ حضرت ابوالاعلیٰ مودودی (متوفی ۱۳۵ھ) کے نام پر رکھا گیا ہے۔ یہ بزرگ سکندر لودھی کے زمانے میں چشت سے نقل مکانی فرما کر ہندوستان میں آئے تھے۔ یہ بزرگ ایک مشہور سلسلۂ ارشاد و ہدایت سے تعلق رکھتے تھے، خود ایک بڑے عالم تھے اور ان کا زمانہ بھی اہلِ علم و تقویٰ سے خالی نہ تھا۔ اگر اس نام میں کوئی پہلو بھی قابلِ اعتراض ہوتا، تو یقیناً اسی زمانے میں علماء اور صوفیاء اس پر معترض ہوتے اور اسی خاندان میں دوبارہ یہی نام تجویز کیے جانے کی نوبت نہ آتی۔ تاہم اس امر کا اب بھی جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ فی الواقع اعلیٰ اللہ کے اسماءِ حسنیٰ میں شامل ہے یا نہیں اور ابوالاعلیٰ نام رکھنا جائز ہے یا نہیں۔

عام طور پر مشہور ہے اور بعض صحیح احادیث میں بھی یہ بات آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ۹۹ نام ہیں سُنَنِ ترمذی، کتاب الدعوات کے ایک باب میں (جس کا عنوان نہیں ہے) اس طرح کی احادیث یکجا کر دی گئی ہیں جن میں سے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں یہ پورے ننانوے نام مذکور ہیں مگر ان میں اعلیٰ کا نام موجود نہیں ہے۔ ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب اسماء اللہ میں بھی حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور اس میں بھی الاعلیٰ شامل نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ربّ کی صفت تو اعلیٰ مذکور ہے (مثلاً ربک الاعلیٰ یا ربہ الاعلیٰ)، مگر تنہا اعلیٰ کا لفظ اللہ کے اسماءِ حسنیٰ یا صفاتی ناموں میں شامل نہیں کیا گیا۔ صرف یہی نہیں کہ مجرد الاعلیٰ اللہ کے لیے مستعمل نہیں بلکہ عال یا العالی کا لفظ بھی اکیلا اللہ کے لیے قرآن میں وارد نہیں، بلکہ غیر اللہ ہی کے لیے آیا ہے (مثلاً نحو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالین، جنّۃٍ عالیۃٍ ۔ عَالِیَھَا سافِلَھا)۔ اعلیٰ کا لفظ عالی ہی کا افعل التفضیل ہے، عالی کے معنی بلند اور اعلیٰ کا مطلب بلند تر۔ اب جو شخص اعلیٰ یا الاعلیٰ کا لفظ مطلقاً بول کر اس سے فقط اللہ تعالیٰ مراد لینا چاہتا ہے اور اس لفظ کو اللہ کے اسماء میں شمار کرتا ہے، وہ بالکل ایک بے دلیل بات کہتا ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں کہیں بھی محض لفظ الاعلیٰ بول کر اللہ کی ذات مراد نہیں لی گئی ہے۔

تاہم العالی یا الاعلیٰ کو اللہ کے صفاتی ناموں میں اگر شامل سمجھ بھی لیا جائے کیونکہ بعض علما کے نزدیک اسمائے حسنیٰ ۹۹ کی گنتی میں محصور و محدود نہیں ہیں تب بھی یہ نام یا الفاظ ایسے ہرگز نہیں ہیں جن کا استعمال غیر اللہ کے لیے ممنوع ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خود حضرت موسیٰ سے فرماتا ہے: لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی (تو مت ڈر، تو ہی اعلیٰ ہے۔ طٰہٰ ۶۸)، مومنین سے فرماتا ہے ... وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اور تم ہی اعلیٰ ہو گے اگر تم مومن ہو گے۔ آل عمران ۱۳۹) پھر فرماتا ہے ... وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَ اللّٰہُ مَعَکُمْ (اور تم ہی اعلیٰ ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ محمد، ۳۵)۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ جن کا حدیث میں ذکر ہے ان میں صرف چند نام ایسے ہیں جن کے متعلق علما و محدثین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے لیے مختص ہیں اور غیر اللہ کے لیے ان کا استعمال ممنوع ہے۔ وہ اسماء یہ ہیں: اللہ، الرحمٰن، السبّوح، القدّوس۔ ان کے ماسوا تقریباً تمام اسمائے صفات ایسے ہیں جو اللہ و غیر اللہ کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں اور قرآن، حدیث اور لغتِ عرب میں بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں یہ الفاظ اللہ اور غیر اللہ دونوں کے لیے آئے ہیں۔ مثلاً الرحیم، الملک، المومن، المھیمن، العزیز، المتکبر، العلیم، السمیع، البصیر، الحسیب، الودود، الرؤف اور اس طرح کے اور بہت سے صفاتی نام ایسے ہیں جو قرآن مجید ہی میں اللہ کے لیے اور دوسروں کے لیے یکساں طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن میں اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا اور اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیْمٌ بھی آیا ہے اور علی ایک صحابی کا بھی نام ہے۔ اگر یہ نام کسی لحاظ سے بھی قابلِ اعتراض ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اسے ضرور تبدیل فرما دیتے کیونکہ آپ نے بہت سے ایسے نام بدل دیتے تھے جو کسی پہلو سے ناجائز یا ناپسندیدہ تھے۔ صحاح ستّہ کے متعدد راویانِ حدیث ایسے ہیں جو اپنی کنیت ابوعلی کے ساتھ معروف ہیں۔ بوعلی سینا اور بوعلی قلندر کے الفاظ تو زبان زدِ خلائق ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بو علی ابو علی ہی کا مخفف ہے۔ لیکن آج تک کسی شخص نے یہ کہہ کر اپنی جہالت کا ثبوت نہیں دیا کہ علی چونکہ اللہ کا نام ہے، اس لیے جو علی نام رکھتا ہے، وہ خدا ہونے کا مدّعی ہے اور جو ابو علی نام یا کنیت رکھتا ہے وہ خدا کا باپ ہے۔ اسی طرح حکیم اسمائے حُسنیٰ میں شامل ہے اور ایک صحابی کا نام بھی ہے۔ مالک اللہ کا نام بھی ہے، ایک فرشتے کا نام بھی ہے اور مالک ہمارے ایک بہت بڑے امام حدیث و فقہ کا نام بھی ہے۔ پھر ابو مالک، ابو حکیم، ابو بصیر ایسی کنیتیں ہیں جن سے ہمارے متعدد اصحابِ سلف پہچانے جاتے ہیں۔ اگر یہ سارے نام اور کنیتیں جائز اور صحیح ہیں اور ان کے رکھنے والے نہ خدائی کے دعویدار تھے نہ معاذ اللہ خدا کے باپ ہونے کے مدعی تھے تو کون احمق یہ بات کہہ سکتا ہے یا مان سکتا ہے کہ جس کا نام اُبو الاعلیٰ ہے، اس نے خدا کا باپ ہونے کا (معاذ اللہ) دعویٰ کر دیا ہے۔ آخر جہالت، غباوت اور عناد کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔

پھر جو شخص بھی عربی جانتا ہے اور جس نے دینی علوم میں کچھ بھی شُدبُد پیدا کی ہے، وہ اس بات سے بے خبر نہیں رہ سکتا کہ صحابۂ کرام اور اسلافِ عظام میں بے شمار شخصیتیں ایسی تھیں جن کی کنیتیں یا کنیت کے طرز پر جن کے اسمائے گرامی ایسے تھے جن کا صحیح مفہوم مشکل ہی سے متعین ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ان میں سے چند ایک یہ ہیں: حضرت ابو بکرؓ، ابو بکرہؓ، ابو محذورہؓ، ابو ثعلبہؓ، ابو جندلؓ، ابو بحر، ابو القیلانؒ، ابو حنیفہ، ابو الابرد، ابو الاحوص، ابو ادام، ابو الاسباط، ابو الاشہب، ابو البختری، ابو ثور، ابو توبہ، ابو زُرعہ، ابو الفرجؒ
غرض یہ کہ سینکڑوں ایسے نام ہیں جن کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ ان کا یقینی مفہوم کیا ہے؟ بعض لوگوں نے ان کی حقیقی وجہ تسمیہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ ساری کوششیں تکلف سے خالی نہیں ہیں۔ اب جو عقلمند پوچھتے ہیں کہ اُبو الاعلیٰ سے کیا مُراد ہے، مَیں ان سے پوچھتا ہوں کہ بزرگانِ سلف میں سے چند نام جو مَیں نے ابھی درج کیے ہیں، کیا یہ بھی آپ نے کبھی پڑھے یا سُنے ہیں اور ان میں کتنے ناموں کی مراد آپ نے بالتحقیق معلوم کر لی ہے؟

پھر جہاں تک کنیت میں لفظ ابو کا تعلق ہے، اس کے معنی ہر حالت میں باپ کے وہی لے سکتا ہے جو عربی زبان سے بالکل نابلد ہو۔ حضرت ابو بکرؓ یا حضرت ابو بکرہؓ کی اولاد میں سے کسی کا نام بکر یا بکرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ تھا۔ اسی طرح ابو حنیفہ کی کسی صاحبزادی یا صاحبزادے
کا نام حنیفہ نہ تھا۔ بعض اوقات ابو کا لفظ باپ کے بجائے اُسی مفہوم میں آتا ہے جس میں عربی کا لفظ "صاحب" یا اردو کا لفظ "والا" آتا ہے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ ایک بلّی رکھتے تھے۔ اس لیے ان کا نام ابو ہریرہؓ مشہور ہو گیا۔ اس کے معنی بلّی والے کے ہیں نہ کہ بلّی کے باپ کے۔ حضرت علیؓ ایک مرتبہ مسجد کے کچے خاکی فرش پر بیٹھے ہوئے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ازراہِ محبت آپ کو ابو تراب کے لقب سے یاد فرمایا۔ اس کے معنی خاک آلود کے ہیں نہ کہ مٹی کے باپ کے۔ عُذر یا عذرا بعض اوقات دوشیزہ کو کہتے ہیں اور جو اس سے نکاح کرے اُسے ابو عُذر کہا جاتا ہے، اس سے مُراد کنواری کا شوہر ہے نہ کہ اس کا باپ۔ علامہ ابن الاثیر الجزری جنہوں نے لغتِ حدیث کی مشہور کتاب "النہایہ فی غریب الحدیث والاثر" لکھی ہے ان کی کنیت ابو السعادات ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صاحب السعادات یا طالبِ سعادت ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ برکات و سعادات کے باپ ہیں۔ ابو البرکات اور ابو الحسنات کا ترجمہ شاید کوئی جاہل ہی برکات و حسنات کے باپ کر سکتا ہے۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا تعارف صرف سرزمین پاکستان تک محدود نہیں ہے، بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے ان کے نام، ان کی شخصیت، ان کے افکار و نظریات سے عالمِ عرب کے خواص و عام پوری طرح شناسا ہو چکے ہیں۔ بڑے بڑے اہلِ علم و فضل ان کا نام سنتے ہیں، پڑھتے ہیں، بولتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ لیکن آج تک ان کے اسمِ گرامی کے متعلق اہلِ لسان اور ذی علم اصحاب کی طرف سے کوئی اشکال و اعتراض سامنے نہیں آیا۔ صرف ہمارے ہاں ہی کے بعض ناقابلِ ذکر اور بزعم خود غلط لوگ ہیں جو اپنے مبلغِ علم کا مظاہرہ کرتے پھر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی ضد اور ہٹ دھرمی اور بُغض و حسد کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ اِس طرح کے گھٹیا اعتراضات یہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں بے تکلف دُہراتے ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی ان کے دوسرے اعتراضات کو قابلِ توجہ سمجھے تو یہ اس کی اپنی ہی نادانی ہے۔ ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ روز وہ ایک سے ایک بیہودہ اعتراض کرتے چلے جائیں اور ہم ان کے جوابات دینے میں اپنا وقت ضائع کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(بقیہ اشارات)

پر متمکن ہوئے ہیں اور اب بھی اسی کے لیے کوشاں ہیں یہ سب اسی مایوسی کا بالکل فطری نتیجہ ہے۔

اس منفی طرزِ فکر کا تیسرا اثر نوخیز نسلوں کے اخلاقی انحطاط میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے اندر بے اطمینانی کا وہ احساس نظر نہیں آتا جو کسی اطمینان بخش صورتِ حال کی آرزو میں جھلکتا ہے یہاں سرتاپا بغاوت، نفرت، حقارت اور تخریب کے طوفان اٹھتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری نئی نسلیں صرف توڑ پھوڑ اور شکست و ریخت کی دلدادہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ وہ صرف تباہ و برباد کرنے کی آرزو رکھتی ہیں، تعمیر و ترقی سے انہیں کوئی غرض نہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کیا جو کچھ یہ نوجوان آج کر رہے ہیں کیا یہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے؟ صورتِ حال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اس ملک میں اس وقت ہو رہا ہے یہ سارا مذہب سے انحراف کا فطری نتیجہ ہے جسے ایک منصوبے کے تحت شروع کر کے یہاں تک پہنچایا گیا ہے۔ اس کی غرض یہ تھی کہ اہلِ پاکستان، خصوصاً اس کی نوجوان نسلوں کی تہذیب کرنے والے داخلی محرکات کا خاتمہ ہو، ان کے دلوں سے خدا خوفی کا احساس ختم ہو، آخرت کی باز پرس کے خوف سے ان کے دماغ خالی ہو جائیں، سیرت و کردار کے اعلیٰ نمونوں کے خلاف ان کے اندر بیزاری اور تنفر کا جذبہ پیدا ہو اور پھر جب وہ بالکل بے قابو ہو کر تباہی اور بربادی کے لیے نکلیں تو انہیں آہنی شکنجوں میں کس دیا جائے اور عوام کو بھی اس بات پر اطمینان ہو کہ اس ایک حربے کے خلاف ان کے لیے کوئی دوسرا حربہ کارگر بھی نہیں ہو سکتا۔

جو لوگ قوم کو آمریت کی جکڑ بندیوں میں جکڑ کر رکھنا چاہتے ہیں وہ شروع ہی سے اس ملک کے باشندوں کو ذہنی اور جذباتی اعتبار سے اس کے لیے تیار کر رہے ہیں نظامِ تعلیم و تربیت سے بالکل غفلت برتی جا رہی ہے۔ اس کے مقابلے میں شروع ہی سے یہاں جابرانہ قوانین کی بھرمار نظر آتی ہے۔ یہ قوانین آمریت کی طرف پہلا قدم تھے۔ ان کے جواز میں یہ دلیل دی جاتی تھی کہ ملک کے حالات اتنے خراب ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چکے ہیں کہ ان کے بغیر نظم و ضبط کو برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ جابرانہ قوانین صاف بتا رہے تھے کہ ملک کو کس نہج پر آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ اس کے بعد ۱۹۵۳ء میں جزوی مارشل لا لگا دیا گیا جس کی حیثیت آزمائشی مارشل لا کی تھی تاکہ قوم کے ردِ عمل کو دیکھا جا سکے! اس کے بعد ۱۹۵۸ء میں پورے ملک پر آمریت مسلط کر دی گئی۔ اُس وقت مارشل لا لگنے پر عوام نے جس مسرت کا اظہار کیا تھا اس سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ قوم کو آمریت کا کافی حد تک خوگر بنا دیا گیا ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات کسی حد تک بیٹھ چکی ہے کہ اندھی بہری قوت کے بغیر اور جکڑ بندیوں سے بے نیاز ہو کر اس قوم کو ترقی کی راہ پر نہیں لگایا جا سکتا۔ اس دس سالہ دورِ آمریت میں حکومت نے ایسا منفی طرزِ عمل اختیار کیا جس سے قوم مزید انتشار کا شکار ہوئی۔ اس عہد کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ہر متبادل قیادت کے اُبھرنے کا امکان ختم کرنے کی کوشش کی گئی، سرکار پرستوں کے سوا ملک کی ہر شخصیت اور جماعت کا اعتماد عوام کے دلوں سے نکال دینے کے لیے تمام ذرائع اختیار کیے گئے، اور تخریبی رجحانات کو اس قدر پروان چڑھایا گیا کہ جب جمہوریت بحال ہونے کے کچھ امکانات پیدا ہونے لگے تو وہ ہنگامے برپا کر دیئے گئے جن کی بدولت ملک میں پھر مارشل لا نافذ کرنا پڑا۔

صدر یحییٰ اگرچہ بار بار اس عزم کا اظہار کر چکے ہیں کہ وہ عنانِ اقتدار عوامی نمائندوں کو سونپ کر خود فوج میں واپس جانا چاہتے ہیں۔ آج تک انہوں نے اس معاملے میں جو اقدامات کیے اُن سے ان کے عزم کا اخلاص بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مگر جن تخریب پسند قوتوں نے انسانوں کو ان کی اپنی فطرت سے اور پاکستان کے مستقبل سے مایوس کر دیا ہے اور ان کے اندر ایک ہمہ گیر بغاوت کے رجحانات پیدا کر دیئے ہیں، وہ یہ آس لگائے بیٹھی ہیں کہ قوم اب جکڑ بندیوں ہی میں فلاح و کامرانی کی راہ ڈھونڈے گی اور کبھی بھی اس فطری راہ کو اختیار نہ کرے گی جس میں انسان کو انسان سمجھ کر معاملہ کیا جاتا ہے اور سیاسی اور قانونی جکڑ بندیوں کے بجائے اس کی تہذیبِ نفس کی فکر کی جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com